تئیسواں فقہی سمینار

☆ ہبہ سے متعلق مسائل

☆ میراث ووصیت سے متعلق مسائل

☆ عقد استصناع (آرڈر پر سامان تیار کرانے کا معاملہ) سے متعلق مسائل

☆ شہریت سے متعلق مسائل

☆ رِحم کو کرایہ یا عاریت پر دینا

سوالنامہ:

ہبہ سے متعلق بعض مسائل

چوں کہ لوگ عام طور پر احکام شرعیہ سے واقف نہیں ہوتے ؛ اس لئے بعض اختیارات کو استعمال کرنے کے لئے طریقۂ کار کی جو تفصیلات ہیں، وہ ان کو روبہ عمل نہیں لا پاتے ہیں، ان ہی میں سے ایک ہبہ کا مسئلہ ہے، حنفیہ کے نزدیک ہبہ کے درست ہونے کے لئے اس کا مقسوم ہونا ضروری ہے، ہبہ مشاع درست نہیں ہے ؛ جب کہ بعض اوقات ماں باپ اپنے بعض بچوں کو تقسیم کئے بغیر کوئی جائیداد ہبہ کردیتے ہیں، یہ بات دوسرے ورثاء کے علم میں بھی ہوتی ہے اور ہبہ کردہ شئے کی تقسیم کے سلسلہ میں موہوب لہم کے درمیان کوئی نزاع بھی نہیں ہوتی، اس پس منظر میں چند اُمور دریافت طلب ہیں :

(۱) ہبہ کے درست ہونے کے سلسلہ میں شئے موہوب کے مقسوم ہونے سے متعلق فقہاء کے مذاہب اور ان کے دلائل نیز ان کی آراء کی مصلحتیں کیا ہیں؟

(۲) مشاع نہ ہونے کی شرط کیا ایسی چیزوں کے لئے ہے، جن میں مختلف حصوں کی حیثیت واہمیت میں فرق ہو، جیسے زمین کا کچھ حصہ سڑک کے کنارہ اور کچھ حصہ دوسری جانب ہو، یا اس صورت میں بھی ہے کہ پوری شئے موہوب مساوی حیثیت کی حامل ہو؟

(۳) اگر ہبۂ مشاع کیا گیا ؛ لیکن اس پر تقسیم اور قبضہ کے سلسلہ میں موہوب لہ کے درمیان کوئی نزاع نہیں ہے تو اس صورت میں بھی ہبہ درست نہیں ہوگا ؟

(۴) ہبہ کے لئے قبضہ کی شرط کے سلسلہ میں فقہاء کے نقاط نظر اور ان کے دلائل کیا ہیں؟ اور ہبہ میں قبضہ کی کیا حیثیت ہے؟

(۵) اگر ہبہ کرتے وقت موہوب لہ نابالغ تھا اور واہب خود اس کا گارجین تھا تو کیا واہب کا موجودہ قبضہ ہی ہبہ کے مکمل ہونے کے لئے کافی ہوگا اور اگر بالغ ہونے کے بعد اس نے اپنے قبضہ ہی میں رکھا تو ہبہ کے وقت بحیثیت گارجین اس کا سابق قبضہ کافی سمجھا جائے گا ؟ یا بالغ ہونے کے بعد شئے موہوب اس کے قبضہ میں دینے کے بعد ہی ہبہ تام ہوگا ؟

☆☆☆

سوالنامہ:

میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل

احکام میراث اسلامی شریعت کا اہم ترین حصہ ہیں، قرآن کریم کی متعدد آیات میں بڑی صراحت، وضاحت اور قطعیت کے ساتھ میراث کے احکام ومسائل اور شرعی وارثین کے حصص بیان کئے گئے ہیں اور ان احکام کی اہمیت اور قطعیت کو بیان کرنے کے لئے ''فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ'' (سورۂ نساء:۱۱) کے الفاظ وارد ہیں۔

کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کے متروکہ مال میں میراث شرعی کو جاری کرنا اور حصص شرعیہ کے مطابق وارثین میں اس کی تقسیم خود ورثہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگ اسلامی قانون میراث کے مطابق ''حقوق متقدمه قبل الميراث'' کی ادائے گی کے بعد بقیہ ترکہ باہم تقسیم کرلیں، کوئی شرعی وارث اپنے حق سے محروم نہ رہے اور نہ کسی کو اس کے حصہ شرعی سے کم ترکہ ملے، احکام میراث سے ناواقفیت کی صورت میں وارثین کی ذمہ داری ہے کہ علماء اور مفتیان کرام سے اس کام میں مدد لیں، نیز اگر کوئی وارث یا غیر وارث ترکہ کے تقسیم شرعی میں رکاوٹ بن رہا ہے تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ میت کے متروکہ مال میں تقسیم شرعی جاری کرے۔

مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ایسے ممالک میں آباد ہیں جہاں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے اور مسلمانوں میں عموماً اتنی دین داری نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی نفع وضرر سے بلند ہو کر اتباعِ شریعت کے جذبہ سے اپنے اوپر بہ خوشی اسلام کے قانون میراث کو جاری کریں اور حصص شرعیہ کے مطابق میراث تقسیم کرلیں، جس وارث کا مالی فائدہ قانون ملکی جاری کرنے میں ہوتا ہے، وہ عموماً شرعی قانون میراث پر عمل کرنے سے گریز کرتا ہے اور نتیجتاً متروکہ مال میں شرعی وراثت جاری نہیں ہو پاتی، بعض اوقات ایسے ممالک میں اسلام کے قانون میراث کے جاری ہونے کا تنہا راستہ یہ بچتا ہے کہ دنیا سے رخصت ہونے والا شخص وفات سے پہلے ایسا وصیت نامہ تیار کرجائے، جس میں اپنے متوقع وارثین کے لئے ان کے حصص شرعیہ کی صراحت کردی جائے اور وضاحت سے لکھ دیا جائے کہ فلاں، فلاں اشخاص کو میری وفات کے بعد میرے متروکہ اموال میں سے اتنا اتنا دے دیا جائے، تقریباً تمام ہی غیر مسلم ممالک میں مرنے والے کی وصیت کو اہمیت اور اولیت دی جاتی ہے اور اس پر عمل درآمد کیا جاتا ہے؛ لہٰذا اس طرح کی تحریری اور قانونی وصیت کے بعد یہ بات تقریباً یقینی ہوجاتی ہے کہ شرعی وارثین کو ان کا حصہ صحیح طور پر مل جائے گا۔

اس صورتِ حال میں درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا 'وصیت نامہ' لکھا دینا (تا کہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں) واجب ہے یا جائز یا ممنوع؟

(۲) اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا حدیث ''لا وصية لوارث'' کے خلاف تو نہیں ہے کہ اس حدیث کے معارض ہونے کی بنا پر وہ غیر معتبر اور غیر شرعی قرار پائے؟

(۳) حدیث نبوی ’’لا وصیة لوارث ‘‘ کا موردو مقصد صرف وہ وصیت ہے،جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو، یا وہ وصیت بھی اس ممانعت کے دائرہ میں آتی ہے،جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو؟

(۴) غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کی مزید کیا شکلیں ہوسکتی ہیں؟ان کی طرف بھی رہنمائی فرمائیں۔

(۵) یہ بات تقریباً فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا اور کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا؟ لیکن اس وقت غیر مسلم ممالک میں ایک صورت یہ درپیش ہے کہ بعض دفعہ مسلمان مورث کی حیثیت میں ہوتے ہیں اور کسی غیر مسلم سے اس کی ایسی قرابت ہوتی ہے کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسے بھی حق میراث حاصل ہوتا؟ قانون کے ذریعہ اس مسلمان کے مال سے اس کے غیر مسلم رشتہ دار کو متروکہ دیا جاتا ہے،اسی طرح اگر مورث غیر مسلم ہو اور اس کا مسلمان قرابت دار ہو تو قانون اسے ترکہ میں حق دلاتا ہے، اگر وہ نہ لے تو ترکہ دوسرے غیر مسلم قرابت داروں میں تقسیم ہوجائے گا تو کیا ایسی صورت میں جب کہ مسلمان کے مال سے غیر مسلم کو ترکہ دلایا جاتا ہو،مسلمان بھی اس قانون سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں؟ وہ اس کے لئے کوشش کرسکتے ہیں یا قبول کرسکتے ہیں؟

اس سلسلہ میں اس بات کو بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ دعوتی نقطۂ نظر سے بھی اس مسئلہ کی بڑی اہمیت ہے،اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہوجائے کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ اپنے صاحب ثروت والد یا والدہ کے ترکہ سے بالکل محروم ہوجائے گا تو مادیت کے غلبہ کی وجہ سے یہ بات اس کے قبولِ اسلام میں رکاوٹ بن سکتی ہے یا بعض دفعہ اسے سخت معاشی تنگی سے گذرنا پڑتا ہے،اگر یہ تنگی اس کے پائے استقامت میں تزلزل پیدا نہ کرے،تب بھی اس کے جیسے بہت سے لوگ جو کسی درجہ میں اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں،اس کی معاشی بدحالی کو دیکھ کر اپنے قدم روک سکتے ہیں،خاص کر ہندوستان میں اس طرح کے واقعات سے وہ لوگ گذرتے رہتے ہیں، جو دعوت دین کے کام کی طرف متوجہ ہیں۔

(۶) بعض اوقات اس مقصد کے تحت کہ آئندہ مورث کی اولاد کے درمیان اختلاف نہ ہو،مورث اپنی زندگی ہی میں اولاد کے درمیان حصے مقرر کردیتا ہے کہ اس کے گزرنے کے بعد اسی تفصیل کے مطابق ترکہ کی تقسیم کردیا جائے ، عام طور پر اس میں حق میراث کا تناسب ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے؛لیکن اس جہت سے وصیت کی صورت ہوتی ہے کہ وہ زندگی میں ورثہ کو ہبہ نہیں کرتا اور موت کے بعد اس کے منشاء کے مطابق ترکہ کی تقسیم چاہتا ہے، کیا وصیت کی یہ صورت معتبر ہوگی ، جب کہ اس میں وارث کو نقصان پہنچانا مقصد نہیں ہے؛ بلکہ ان کے درمیان انصاف قائم رکھنا مقصود ہے؟

(۷) اگرچہ وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں ہے؛لیکن اس سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جس میں دوسرے ورثاء راضی ہوں،تو اس سلسلہ میں دیگر ورثاء کی رضامندی مورث کی موت کے بعد معتبر ہوگی یا مورث کی زندگی میں بھی اس کا اعتبار ہوگا؟ مثلاً اگر ایک شخص نے اپنی کسی ایک اولاد کی خدمت یا اس کی مجبوری کو دیکھتے ہوئے تمام ورثاء کی رضامندی سے اس کے حق میں وصیت نامہ بنادیا اور اس پر دوسرے ورثاء کے دستخط حاصل کرلئے ، ہبہ نامہ نہیں بنایا؛ تا کہ وہ شئے اس کے اختیار سے باہر نہ چلی جائے تو کیا یہ رضامندی کافی ہوگی اور اس کی موت کے بعد یہ وصیت نافذ ہوگی؟

(۸) جو لوگ لاولد ہوتے ہیں ان کو فطری طور پر اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ان کے گزرنے کے بعد ان کی بیوہ کا حق محفوظ رہے اور وہ بے سہارا نہ ہوجائے ، ایسی صورت میں اگر وہ اپنی بیوہ کے لئے کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت

کر جائے تو کیا اس کا اعتبار ہوگا؟

(۹) اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کردی؛ جب کہ اس کی زندگی میں دوسرے ورثاء اس پر رضا مند ہوگئے تھے تو کیا یہ وصیت معتبر ہوگی؟

☆☆☆

سوالنامہ:

عقد استصناع

مالی معاملات میں ایک اہم صورت استصناع کی ہے، عقد استصناع سے متعلق اگر چہ نصوص میں بھی اشارات ملتے ہیں؛ لیکن فقہاء کے بیان کے مطابق اس کی اصل بنیاد عرف و عادت اور تعامل ہے، یوں تو استصناع بھی عقد معاوضہ ہی کی ایک شکل ہے؛ لیکن اس عقد کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ سلم کی طرح یہ بھی بیع معدوم کی ممانعت سے مستثنیٰ ہے اور مزید ایک اہم بات یہ ہے کہ اس میں عوضین کو اُدھار رکھا جا سکتا ہے؛ اس لئے معاملات میں اس عقد کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، موجودہ دور میں اسلامی مالیاتی ادارے اس کو تمویل و استثمار کی ایک شکل کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔

گذشتہ زمانوں میں فقہاء نے استصناع کی جو مثالیں دی ہیں، وہ چھوٹی اور معمولی چیزوں سے متعلق ہیں، جنھیں آرڈر پر تیار کرایا جاتا تھا، موجودہ عہد میں آرڈر پر تیار کی جانے والی اشیاء اور خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے، اس پس منظر میں چند سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں :

(۱) موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہو سکتا ہے اور اس سلسلہ میں اُصول کیا ہوگا؟

(۲) استصناع خود بیع ہے یا وعدہ بیع؟

(۳) ظاہر ہے کہ استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے، وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے تو جیسے وہ ایک معدوم شئے کو خرید کر رہا ہے، کیا مبیع (مصنوع) کو وجود میں آنے سے پہلے وہ اسے کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت کر سکتا ہے؟ اور سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ ہوں گی؟ — آج کل خاص کر فلیٹس کی خرید و فروخت میں کثرت سے ایسی بات پیش آتی ہے۔

(۴) استصناع کا تعلق صرف ان اشیاء سے ہے، جو اموالِ منقولہ کے قبیل سے ہیں یا اموالِ غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ سے بھی ہے؟

(۵) اسلامی مالیاتی ادارے استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جسے وہ استصناع موازی یا متوازی کہتے ہیں، یہ معاملہ بنیادی طور پر تین فریقوں کے درمیان ہوتا ہے، جس میں مالیاتی ادارے کی حیثیت درمیانی فریق کی ہوتی ہے، ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے شخص کو خود آرڈر دیتا ہے اور دونوں کی قیمت میں ایسا فرق رکھتا ہے کہ پہلے شخص سے جو زیادہ رقم حاصل ہو، وہ اس کا نفع ہو جائے، اس صورت میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

(۶) عقد استصناع میں بعض دفعہ صانع کو ایک مناسب رقم بطور بیعانہ کے دینی پڑتی ہے، اگر صانع (بائع) آرڈر کے مطابق مال تیار کر دے؛ لیکن خریدار اس کو لینے سے مکر جائے تو بائع اس رقم کو ضبط کر سکتا ہے یا اس سے اپنے نقصان کی تلافی کر سکتا ہے؟ --- واضح ہو کہ عام طور پر ایسی صورتوں میں مطلوبہ ڈیزائن کے مطابق کثیر مقدار میں کسی چیز کی تیاری کا آرڈر دیا جاتا ہے، اگر خریدار بعد میں مکر جائے تو بائع کے

لئے اس کوفروخت کرنا بہت دشوار ہوتا ہے؛ کیوں کہ ضروری نہیں کہ اس ڈیزائن یا معیار کی چیز مارکٹ میں دوسرے لوگوں کو بھی مطلوب ہو۔

(۷) اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے موجودہ میٹریل خود خریدار فراہم کردے تو یہ ''عقد'' استصناع کے حکم میں ہوگا یا اجارہ کے؟ عقد استصناع میں اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو خریدار کو رد کرنے کا اختیار ہوتا ہے، کیا اس صورت میں بھی آرڈر دینے والے کو اس کا حق حاصل ہوگا؟ اور اگر آرڈر دینے والے کو اس کا قبول کرنا ضروری ہو تو مکمل طور پر آرڈر کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے، کیا وہ صانع سے اس کا جرمانہ وصول کرسکتا ہے؟

(۸) عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو جائے، مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کر پائے تو کیا خریدار اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے — واضح ہو کہ بعض اوقات خریدار اسی مقررہ تاریخ کے لحاظ سے اپنے گاہک سے معاملہ طے کرتا ہے، اگر بائع مقررہ وقت پر مبیع تیار کر کے حوالہ نہ کرے اور اسے بروقت مارکٹ سے وہی شئے حاصل کر کے اپنے گاہک کو دینی پڑے، تو اس کو مارکٹ سے گراں قیمت پر یہ شئے خرید کرنی پڑتی ہے اور دوہرا نقصان اُٹھانا پڑتا ہے، ایک تو اس نے وہ سامان زیادہ قیمت پر خرید کیا، دوسرے جب خود اس کا آرڈر موصول ہوگا تو اب اس شئے کو فروخت کرنا دشوار ہو جائے گا اور نیا خریدار تلاش کرنا ہوگا۔

☆☆☆

سوالنامہ:

شہریت کا مسئلہ

گذشتہ ادوار میں کسی ملک میں بسنے کے لئے قانونی طور پر شہریت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، جب عالم اسلام ایک جھنڈے کے نیچے تھا تب تو یہ صورت حال تھی، جب مختلف مسلم مملکتیں موجود میں آ گئیں، اس وقت بھی یہی صورت حال باقی رہی، غیر مسلم حضرات بھی مسلم ممالک میں اسی طرح آباد ہو سکتے تھے؛ البتہ جب ایک ملک میں بسنے والا وقتی ضرورت اور عارضی قیام کے لئے دوسرے ملک میں جاتا تو اسے امان حاصل کرنی پڑتی اور تجارتی مقاصد کے تحت جاتا تو ٹیکس ادا کرنا ہوتا؛ لیکن موجودہ دور میں قومی عصبیتوں اور علاقہ و وطن کی بنیاد پر انسانیت کی تقسیم کے مغربی تصور کے تحت ایک ملک کا رہنے والا یونہی نہ تو دوسرے ملک میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ وہاں آباد ہو سکتا ہے، یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ اس معاملہ میں مغربی ملکوں سے زیادہ دل و نگاہ کی تنگی مسلم ملکوں میں پائی جاتی ہے۔

دوسری طرف عصر حاضر میں معاشی مقاصد، سیاسی حالات، تہذیبی مماثلت اور موسم کی موافقت وعدم موافقت کی وجہ سے نقل آبادی کا سلسلہ جاری ہے، اس پس منظر میں یہ مسئلہ جسے حق شہریت حاصل کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے، بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے، اب یہ بین الاقوامی مسئلہ ہے اور اقوام متحدہ نے اس سلسلہ میں کئی اہم فیصلے کئے ہیں۔

اس پس منظر میں شرعی نقطۂ سے چند سوالات آپ کی تحقیق وتوجہ کے طالب ہیں :

(۱) اسلام میں شہریت حاصل ہونے یا حاصل کرنے کے لئے کس بات کو بنیاد بنایا جا سکتا ہے: کسی ملک میں بود و باش اختیار کر لینے کو، وہاں معاشی سرگرمیاں انجام دینے کو، ایک مخصوص مدت تک وہاں قیام کو، یا کسی اور بات کو؟

(۲) اگر ایک مسلم یا غیر مسلم ملک میں بسنے والا مسلمان اپنی کسی مجبوری یا خواہش کی وجہ سے دوسرے مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا چاہے تو اس دوسرے مسلم ملک پر اس کی درخواست کو قبول کرنا شرعاً ضروری ہوگا یا نہیں؟

(۳) بعض دفعہ کسی خاص خطہ میں مسلمانوں پر مظالم ہوتے ہیں اور وہاں کے مسلمان کسی اور مسلم ملک کی پناہ لیتے ہیں تو انھیں پناہ گزیں کا درجہ دیا جاتا ہے؛ لیکن انھیں شہری تسلیم نہیں کیا جاتا، کیا یہ بات شرعاً درست ہے؟ کیا یہ بات جائز مانی جا سکتی ہے کہ مسلمان تارکین وطن کو دوسرے مسلمان ملک میں اس ملک کے قدیم باشندوں کی طرح ایک شہری ہونے کی سہولتیں نہیں دی جائیں؟

(۴) اسلامی نقطۂ نظر سے شہریت کے کیا حقوق مانے جائیں گے؟ جیسے: ووٹ دینے کا حق، انتخاب میں اُمیدوار ہونے کا حق، سرکاری اداروں میں ملازمت کا حق، سرکاری تعلیمی اداروں میں تعلیم کا حق، سرکاری ہسپتالوں میں علاج کا حق، روزگار کا حق، عدالتی چارہ جوئی کا حق، معاشی تگ و دو کا حق، انصاف حاصل کرنے کا حق، ایک مقام سے دوسرے مقام پر کسی پیشگی اجازت کے بغیر آمد و رفت کا حق، وغیرہ۔

(۵) شریعتِ اسلامی میں پناہ گزینوں کو کیا حقوق حاصل ہوں گے، نیز کون سے حقوق شہریوں کو حاصل ہوں گے اور ان کو حاصل نہیں ہوں گے؟

(۶) کیا کسی مسلمان کے لئے ضرورت ومجبوری کی بنا پر یا محض معاشی فوائد کی غرض سے غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنے کی اجازت ہوگی؟

(۷) کیا مسلم ملکوں میں غیر مسلموں کو مستقل شہری کی حیثیت سے آباد کرنا درست ہوگا؟

☆☆☆

تجاویز:

تئیسواں فقہی سمینار

۲۸، ۲۹ ربیع الثانی وکیم جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ مطابق ۱-۳/ مارچ ۲۰۱۴ء، جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا ۲۳واں فقہی سمینار تاریخی وعلمی اور صنعتی ریاست گجرات میں واقع ایک معروف علمی ادارہ جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں ۲۸، ۲۹ ربیع الثانی وکیم جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ مطابق ۱-۳/ مارچ ۲۰۱۴ء منعقد ہوا جس میں ملک وبیرون ملک سے ۲۵۰ سے زائد علماء واصحاب دانش کی شرکت ہوئی، بیرون ملک سے آئے علماء میں امریکہ سے قاری عبداللہ سلیم صاحب، ساؤتھ افریقہ سے آئے مولانا زبیر بیات صاحب، مولانا احمد ساتریا صاحب، دبئ سے آئے ڈاکٹر عزالدین بن زغیبہ اور ڈاکٹر ہاشم ندوی اور برطانیہ سے مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب وغیرہ شامل تھے۔ اور اندرون ملک سے دار العلوم ندوۃ العلماء کے ناظم محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم، اور مسلم پرسنل بورڈ کے نائب صدر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے صدر حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی صاحب، دار العلوم ندوۃ العلماء کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی صاحب، حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب، حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب، اور حضرت مفتی اشرف علی باقوی صاحب وغیرہ شریک ہوئے۔ اس سمینار میں چار موضوعات زیر بحث لائے گئے اور ان سے متعلق درج ذیل تجاویز پاس کی گئیں:

ہبہ سے متعلق مسائل:

۱- ہبہ کرنے والے کو چاہئے کہ جو شئ ہبہ کرنی ہو، اگر وہ قابل تقسیم ہو تو اسے تقسیم کرکے ہبہ کرے۔

۲- اگر مشاع یعنی مشترکہ چیز کو ہبہ کیا جائے تو اگرچہ قیمت واہمیت کے لحاظ سے اس کے مختلف حصوں کی حیثیت میں فرق ہو، لیکن اس کی تقسیم اور قبضہ کے سلسلہ میں ان لوگوں کے درمیان کوئی باہمی نزاع نہ ہو جن کو ہبہ کی گئی ہے تو یہ ہبہ درست ہے۔

۳- ہبہ کے مکمل ہونے کے لئے کہ شرط ہے کہ جس کو ہبہ کیا گیا ہو وہ اس پر قبضہ بھی کرلے۔

۴- جس کو ہبہ کیا گیا ہے، اگر وہ ہبہ کرنے کے وقت نابالغ ہو اور اس کی طرف سے ولی قبضہ کرلے تو کافی ہے۔ بالغ ہونے کے بعد دوبارہ قبضہ کی ضرورت نہیں۔

میراث ووصیت سے متعلق مسائل:

۱- قانون میراث شریعت کا ایک اہم ترین حصہ ہے اور مسلمانوں کے لئے اسی کے مطابق ترکہ کی تقسیم شرعی فریضہ ہے، لہٰذا اگر کسی ملک میں مسلمانوں کے لئے احکام شریعت کے مطابق نظام میراث نافذ نہ ہو تو وہاں مسلمانوں کو چاہئے کہ حکومت سے نظام میراث کے نفاذ کا مطالبہ کیا جائے، اس کے لئے پُرامن جدوجہد کی جائے اور جب تک ایسا نظام قانونی طور پر نافذ نہ ہو، رضاکارانہ طور پر اسے نافذ کرنے کی سعی کی جائے۔

۲- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، اور وصیت کے بغیر ورثہ کو ان کا شرعی حق نہ مل سکے، وہاں اس طرح کا وصیت نامہ لکھنا واجب ہوگا، جو مورث کی موت کے بعد قانون شریعت کے مطابق ترکہ کی تقسیم کا ذریعہ بن سکے، البتہ مورث وصیت نامہ کو نافذ کرانے کے لئے اپنی زندگی میں کسی کو وکیل (وصی) بنادے تاکہ مورث کی وصیت کے بعد اگر ورثہ میں اضافہ یا کمی ہوجائے تو حکم شریعت کے مطابق حذف واضافہ کا حق اسے حاصل رہے۔

۳- ورثہ کے حصص شرعیہ کا وصیت نامہ لکھنا حدیث: ''لا وصیۃ لوارث'' (وارث کے لئے وصیت کا اعتبار نہیں) کے خلاف نہ ہوگا، کیونکہ اس حدیث کا مصداق وہ وصیت ہے جس میں کسی وارث کو ضرر پہنچانا مقصود ہو۔

۴- وارث کے حق میں حق شرعی سے زائد کی وصیت کرنا معتبر نہیں، البتہ اگر دوسرے ورثہ راضی ہوں تو اس کا اعتبار ہوگا اور ورثہ کی یہ رضامندی مورث کی موت کے بعد ہی معتبر مانی جائے گی۔

۵- کوئی مسلمان کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مسلمان کا شرعاً وارث نہیں ہوسکتا۔

۶- ایسے غیر مسلم ممالک جہاں مسلمان سے غیر مسلم قرابت دار کو اور غیر مسلم سے مسلمان قرابت دار کو ملکی قانون کے مطابق موت کے بعد چھوڑے ہوئے مال میں حصہ دلایا جاتا ہو، وہاں مسلمان کے لئے اس حیثیت سے اس کا لینا جائز ہوگا کہ اسے حکومت کی طرف سے یہ مال حاصل ہورہا ہے۔

۷- ترکہ کی تقسیم میں اختلاف سے بچنے کے لئے اگر مورث اپنی زندگی میں ہی اپنے ترکہ کی حصۂ شرعی کے مطابق تقسیم کے لئے تحریر لکھ دے تو جائز ہے، البتہ اگر وارث کی موت سے پہلے ورثہ کی تعداد میں اضافہ یا کمی ہوجائے تو اس نئی صورت حال کے مطابق ہی ترکہ کی تقسیم ہوگی۔

۸- شوہر کے لاولد ہونے کی صورت میں اگر بیوی کے علاوہ کوئی شرعی وارث نہ ہو تو بیوی دو طرح سے ترکہ کی حقدار ہوگی۔ ایک اپنے حصۂ شرعی کے اعتبار سے، دوسرے علم میراث کی اصطلاح کے مطابق ''من یردّ علیھم'' میں داخل ہونے کی وجہ سے۔ لیکن اگر شوہر اپنی بیوہ کا حق محفوظ رکھنے کے لئے کوئی تحریر بھی لکھ دے تو کوئی حرج نہیں۔

۹- غیر وارث کے لئے ایک تہائی تک وصیت کرنے میں ورثہ کی رضامندی کی ضرورت نہیں۔

۱۰- وارث کے لئے وصیت کرنے کی صورت میں یا غیر وارث کے لئے ایک تہائی ترکہ سے زیادہ کی وصیت کی شکل میں مورث کی زندگی میں ورثہ کی اجازت کافی نہیں ہے، مورث کے مرنے کے بعد تمام ورثہ کی رضامندی ضروری ہے۔

عقد استصناع (آرڈر پر سامان تیار کرانے کا معاملہ) سے متعلق مسائل:

۱- عقد استصناع اصلاً بیع ہے اور یہ ہر اس چھوٹی بڑی منقول اور غیر منقول چیز میں جائز ہے جن میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں:

(الف) وہ چیز قابل صنعت ہو۔

(ب) وہ چیز اس لائق ہو کہ مقدار، وصف، وزن اور سائز وغیرہ کے ذریعہ اس کو متعین کیا جاسکتا ہو۔

(ج) اس چیز کی تیاری میں میٹریل صانع (آرڈر لینے والے) کی طرف سے ہو۔

(د) اس میں استصناع (آرڈر پر خرید وفروخت) کا تعامل اور رواج ہو۔

(س) عقد کے وقت اس چیز کی جنس، نوعیت، وزن، سائز، ڈیزائن اور دیگر مطلوبہ صفات کی وضاحت اس طرح کردی جائے کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

۲- عقد استصناع کے بعد فریقین معاملہ کے پابند ہوں گے اور کسی فریق کو دوسرے فریق کی رضا کے بغیر معاملہ کو فسخ کرنے کا حق واختیار حاصل نہ ہوگا۔

۳- صانع (آرڈر قبول کرنے والے) کو اختیار ہوگا کہ وہ سامان خود تیار کرے یا دوسرے سے تیار کرائے، البتہ مُستَصنِع یعنی آرڈر دینے والا اس شئ کے حاصل ہونے سے پہلے کسی دوسرے کے ہاتھ نہیں فروخت کرسکتا۔

۴- عقد استصناع میں آرڈر قبول کرنے والے کے لیے بیعانہ کی رقم سے اپنے حقیقی نقصان کی تلافی کرنا درست ہے۔

۵- عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی مقررہ تاریخ کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں آرڈر دینے والے کو ہونے والے حقیقی نقصان کی تلافی کے لیے فریقین عقد کے وقت اگر کسی شرط پر اتفاق کرچکے ہوں تو اس کے پابند ہوں گے۔

شہریت سے متعلق مسائل:

۱- اسلام ایک دین اور مسلمان ایک امت ہیں، اسلام مسلمانوں کو ایک وحدت سے جوڑتا ہے اور ان کو ایک جسم وجان کا درجہ دیتا ہے، اس لحاظ سے اسلام کا اصل مزاج یہ ہے کہ مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہوں، کلمہ کی بنیاد پر ایک امت ہیں، اور ان کے درمیان کسی تفریق وامتیاز کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی جانبدارانہ سلوک کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۲- البتہ عہد جدید میں مغرب کے اثرات سے موجودہ نظام شہریت نے جو حد بندیاں قائم کی ہیں اور جغرافیائی بنیادوں پر انسانوں میں تقسیمات کی گئی ہیں نیز ہر ملک کے شہری کو ایک الگ قوم تصور کیا جاتا ہے، افسوس کہ اس کے اثرات امت مسلمہ پر بھی پڑے ہیں، مختلف ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کو قوم واحد کی بجائے مختلف قوموں میں تقسیم کردیا گیا ہے اور ان کی آزادانہ نقل وحرکت اور قیام وسکونت میں مشکلات پیدا ہوگئی ہیں، گو یہ نظام، اسلام کے آفاقی نظریۂ وحدت سے ہم آہنگ نہیں ہے، لیکن موجودہ بین الاقوامی احوال اور علاقائی مصالح واسباب کے تحت ملکوں میں شہریت کا جو نظام رائج ہے، موجودہ حالات میں اس کو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔

۳- مسلم یا غیر مسلم ملک کا مسلمان کسی مسلم ملک میں شہریت کا خواہش مند ہو اور اس کے اپنے ملک میں دین وایمان، جان ومال اور عزت وآبرو کو سخت خطرہ درپیش ہو تو اس مسلم ملک پر اس کی درخواست کو قبول کرنا لازم ہوگا۔

۴- کسی ملک کے مسلمان مجبور ہوکر دوسرے مسلم ملک میں پناہ گزیں ہوجائیں تو ایسے ملک کا فریضہ ہے کہ وہ ان پناہ گزینوں کو تمام شہری حقوق عطا کرے۔

۵- کسی مسلمان کے لیے غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنے کی درج ذیل صورتیں ہیں:

(الف) ایسا غیر مسلم ملک جہاں دین وایمان جان ومال اور نسل کے تحفظ کو خطرہ ہو وہاں کی شہریت اختیار کرنا جائز نہیں ہے؛

البتہ اس قسم کے خطرات نہ ہوں تو جائز ہے۔

(ب) کسی ملک کی غیر اسلامی تہذیب وتمدن سے متأثر ہوکر وہاں کی شہریت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

(ج) محض معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے مسلم ملک کے کسی شہری کا غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا ناپسندیدہ ہے۔

(د) معاشی مجبوریوں طبی ضرورتوں، اور تعلیمی مقاصد کے لیے غیر مسلم ملک کی شہریت کا حصول جائز ہے۔

(ہ) دعوتی اغراض کے لیے غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا مستحب ہے۔

رِحم کو کرایہ یا عاریت پر دینا:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے، اس پر قائم رہنے میں نہ صرف آخرت کی نجات ہے؛ بلکہ دنیا کی بھی فلاح ہے، شریعتِ اسلامی چونکہ اس ذات کی نازل کی ہوئی ہے، جس نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے اور اس کی فطرت بنائی ہے؛ اس لئے یہ شریعت پوری طرح فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ ہے "**فطرة اللّٰه التی فطر الناس علیها**" شیطان چونکہ انسانوں کا دشمن ہے، اس لئے اس کی خاص مہم یہ ہے کہ بنی نوعِ انسان کو فطرت سے بغاوت پر اکسایا جائے اور اس کو اُن فطری قوانین سے برگشتہ کردیا جائے، جن میں اس کی بھلائی مضمر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے عزائم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"**ولأضلّنهم ولأمنّيهم ولاٰمرنّهم فليبتّكن آذان الأنعام ولاٰمرنّهم فليغيرنّ خلق الله ومن يتخذ الشيطان ولياً من دون الله فقد خسر خسرانا مبيناً**" (نساء:۱۱۹)۔

افسوس کہ موجودہ مغربی تہذیب اس تصور پر مبنی ہے کہ انسانی زندگی میں مذہب واخلاق کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے؛ اس لئے وہ فطرت سے بغاوت کی راہ پر چل رہی ہے، نکاح کے بجائے غیر قانونی رشتہ کی اجازت، ہم جنسی کی اجازت، بے پردگی وعریانیت کو بنیادی حق کی حیثیت دینا، نسلِ انسانی کی افزائش کو روکنا اور اس طرح کے کتنے ہی مسائل ہیں، جو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت سے متصادم ہیں، اور ان کا ارتکاب نہ صرف اخلاقی نقطۂ نظر سے بلکہ طبی پہلو سے بھی سخت ضرر رساں ہے، اور لاعلاج بیماریوں کو پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں میں افزائشِ نسل کے لیے جنسی جذبات رکھے ہیں، اور ان میں انسان بھی شامل ہے، لیکن اس باب میں انسان کو ایک خصوصی شرف عطا کیا گیا ہے کہ وہ عفت وعصمت کا جوہر رکھتا ہے، صنفی اعتبار سے شوہر اور بیوی کی وفاداری ایک دوسرے تک محدود ہوتی ہے، شوہر و بیوی کے ذریعہ توالد وتناسل کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے، یہ انسانی فطرت ہے، اور پہلے انسان ابوالبشر حضرتِ آدمؑ کے وقت سے یہ سلسلہ جاری وساری ہے:

"**يا أيها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبثّ منهما رجالا كثيرا ونساء**" (النساء:۱)۔

اسی سے خاندان وجود میں آتے ہیں، والدین اور اولاد کی شناخت قائم ہوتی ہے، اور ایک دوسرے سے متعلق حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین ہوتا ہے، دوسرے جانداروں کا کوئی خاندان نہیں ہوتا، نہ ان کی کوئی نسلی شناخت ہوتی ہے، اور نہ ہی ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریوں کا اس طرح کا نظام ہوتا ہے جو نظام انسانی سماج میں پایا جاتا ہے، یہ پہچان سماجی اعتبار سے انسان کا بہت بڑا

شرف ہے؛اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے احسانات میں شمار کیا ہے:

"يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا" (الحجرات:۱۳)۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا ہے:

"وهو الذى خلق من الماء بشراً فجعله نسباً وصهراً" (الفرقان:۵۴)۔

عصرِ حاضر میں خدا نا آشنا اور اخلاق بیزار تمدن اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ انسان صنفی مسائل میں پوری طرح قانونِ فطرت سے آزاد ہو جائے اور اپنی شناخت کو کھو دینے میں اسے کوئی تأمل نہ ہو، ایسی ہی صورتوں میں ایک وہ ہے جس کو رحم کو کرایہ پر یا عاریت پر دینے سے تعبیر کیا جاتا ہے، آج کل اس کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں:

الف: مادۂ منویہ شوہر کا ہو، بیضہ اجنبی عورت کا ہو، اور اس کی پرورش خود اس شخص کی بیوی کے رحم میں ہو۔

ب: مادہ شوہر کا ہو، بیضہ خود اس کی بیوی کا ہو، لیکن جنین کی پرورش اجنبی عورت کے رحم میں ہو۔

ج: مادہ اجنبی مرد کا ہو، بیضہ اس عورت کا ہو جو اپنے شوہر کی اجازت سے اولاد کی خواہاں ہو، اور کسی اور عورت کے رحم میں اس کی پرورش ہو۔

د: مادہ اجنبی مرد کا ہو، جو عورت اولاد کی خواہاں ہے، اسی کا بیضہ ہو، اور خود اسی کے رحم میں جنین کی پرورش ہو۔

ان چاروں صورتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ یا تو جو عورت ماں بننا چاہتی ہے، اس کی اولاد کے لئے اجنبی مرد کا مادہ استعمال کیا جائے یا اجنبی عورت کا بیضہ، یا اجنبی عورت کا رحم، ان تمام ہی صورتوں میں متعدد اخلاقی اور نفسیاتی مفاسد شامل ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

☆ ایک عورت اپنے رحم میں ایک اجنبی مرد کے نطفہ کی پرورش کرتی ہے، اس طرح وہ انجام اور مآل کے اعتبار سے اسی فعل کی مرتکب ہوتی ہے جس کا ارتکاب کوئی زانیہ عورت کرتی ہے۔

☆ یہ بات انسانی شرافت کے مغائر ہے کہ اس کے اعضاء اور خاص کر صنفی اعضاء کا استعمال متاعِ تجارت کی طرح ہونے لگے۔

☆ اس سے مادریت کا تقدس مجروح ہوتا ہے، اور اس طرح بے حد مقدس و محترم اور پاکیزہ رشتہ ایک تجارتی عمل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

☆ اس سے نفسیاتی اثرات پڑ سکتے ہیں، جس عورت نے نو دس ماہ حمل کی تکلیف اٹھائی ہو، بچہ پیدا ہوتے ہی اسی بچے سے اس کی گود محروم ہو جائے، یہ بات اس کو سخت صدمے سے دوچار کر سکتی ہے، یہاں تک کہ اس کے دماغ پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے۔

☆ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ماں چونکہ اپنے پیٹ میں بچہ کی پرورش کے وقت اور پھر ولادت کے مرحلہ میں غیر معمولی تکلیف سے گزرتی ہے، چنانچہ خود قرآنِ کریم نے "حملته أمه كرها ووضعته كرها" (الاحقاف:۱۵) کے الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچا ہے، جو عورت ان مشقتوں سے گزری نہیں ہو، کیا اس کے دل میں وہی دردمندانہ جذبات پیدا ہو سکتے ہیں، جو ان مرحلوں سے گزرنے والی ماں کے اندر ہوتے ہیں؟

☆ جس شوہر نے اپنی بیوی کے لئے کسی اجنبی مرد کے نطفہ کوقبول کیا ہو، کیا اس کے بارے میں توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کے نتیجے میں اگرلڑکی پیدا ہوئی تو وہ اس کے ساتھ ایک باپ جیسا رویہ اختیار کرے گا، اور عصمت وآبرو کے پہلو سے وہ اس فطری حجاب کو برقرار رکھے گا جو ایک باپ اور بیٹی کے درمیان ہوتا ہے۔

☆ اس کی وجہ سے بیضہ دینے والی، حمل کی تکلیف اٹھانے والی خواتین کے درمیان مولود کے حق پرورش کے بارے میں نزاع پیدا ہوسکتا ہے، بلکہ اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

☆ سب سے اہم بات یہ ہے کہ نسلی شناخت اور تشخص انسان کے لئے سرمایۂ افتخار ہے، اور ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کی یہ شناخت کھونے نہ پائے، شناخت کا کھوجانا اس کے لئے انتہائی ذلت کی بات ہوتی ہے، اور وہ ہر طریقے پر اس کا تحفظ چاہتا ہے، اسی لئے شریعت نے زنا کو اتنی شدت کے ساتھ منع کیا اور اس کے لئے سخت ترین حد مقرر کی ہے، خود جس شخص کو باپ یا ماں کے بارے میں شک ہو کہ معلوم نہیں کہ میری ماں یہ ہے یا وہ ہے؟ تو یہ بات بھی اس کے لئے بے حد تکلیف دہ ہوتی ہے، نسب کی شناخت جیسے باپ سے متعلق ہوتی ہے، ویسے ہی ماں کے ساتھ بھی اس کا تعلق ہوتا ہے، بلکہ بعض خاندان تو اولا دنرینہ نہ ہونے کی صورت میں ماں کی طرف سے ہی چلتے ہیں۔

ان مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اجلاس متفقہ طور پر فیصلہ کرتا ہے کہ:

۱- بطور اجارہ یا عاریت کسی عورت کا اپنے رحم میں اجنبی مرد کے نطفہ یا دوسرے کے بیضہ کی پرورش کرنا قطعاً حرام ہے، یہ انسان کو اس کی شناخت سے محروم رکھنے کی ایک سازش ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کے بنائے ہوئے فطری نظام سے بغاوت ہے۔

۲- کسی مرد کے لئے یہ بات قطعاً جائز نہیں کہ وہ اپنا مادہ کسی اجنبی عورت کے رحم میں بارآور کرنے کے لئے یا اس کے بیضہ سے اختلاط کے لئے دے۔

۳- ڈاکٹروں کے لئے بھی یہ بات جائز نہیں کہ وہ ایسے غیر اخلاقی عمل میں تعاون کریں۔

۴- حکومتِ ہند کو ایسا قانون بنانا چاہئے جو انسانی اہانت، شرافتِ انسانی کی پامالی اور نسب کے اختلاط پر مبنی اس عمل کو سختی سے روکے۔

۵- برادران وطن سے بھی اپیل کی جاتی ہے کہ وہ حکومت سے اس اہانت آمیز عمل کو روکنے کے سلسلہ میں مطالبہ کریں، کیونکہ اس طرح کے غیر اخلاقی حیاء سوز قانون فطرت کے مغائر فعل کی کسی بھی مذہب میں اجازت نہیں۔

۶- اس قانون کے علاوہ بھی علماءِ ہند کا یہ نمائندہ اجتماع حکومت سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ایسے کسی بھی عمل کی اجازت دینے سے باز رہے جو مذاہب کے مسلمہ اخلاقی اقدار اور ہندوستان کی ثقافتی روایات کے مغایر ہو۔

✦✦✦